AFKĀR *Journal of Islamic & Religious Studies*
Volume 3, Issue 2, December 2019, PP: 127-142
E-ISSN 2616-8588; P-ISSN 2616-9223
www.afkar.com.pk; hjrs.hec.gov.pk

Scan for download

انسانی اجتماعیت میں مذہب کا کردار: تحقیقی مطالعہ

The Role of Religion in Human Collectivity: A Research Study

Hafiz Muhammad Waseem Abbas
Lecturer, Department of Islamic Studies, GIFT University Gujranwala, Pakistan

ARTICLE INFO

Article History:
Received 27 Oct. 2019
Revised 12 Nov. 2019
Accepted 19 Dec. 2019
Online 31 Dec. 2019

DOI:

***Keywords**:*
Religion,
Human Life,
Islamic Sciences,
Worldview,
Relationship, Human Culture,
Moral Values.

ABSTRACT

Religion, being the strongest bond between God and Human Being, ensures humanity to be in one unit of a universal brotherhood. Religion has been always a source of physical comfort and spiritual elevation for human beings. It has been always guiding humanity through its sacred books, revealed to the prophets. It has been with humankind in all periods of human history, and anything that is associated with human being forever, must have a permanent role in human life. This research paper is discusses the meaning, history and role of religion along-with its relationship and importance in human life.

موضوع کا تعارف و اہمیت:

انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی دنیا میں زندگی گزارنے کا لائحہ عمل، خالق کی طرف سے مذہب کی صورت میں عطا ہوا۔ چونکہ مذہب ہر فرد کی تربیت کرتا ہے اور افراد مل کر معاشرہ کی تشکیل کرتے ہیں۔ انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک مذہب انسان کا ہم سفر رہتا ہے۔ اسی لیے زندگی گزارنے کے طریقے اور راستے کو مذہب کہتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ زبیدی (1732-1790ء) لکھتے ہیں:

المذهب: الطريقة يقال ذهب فلان مذهباً حسناً اى طريقة حسنة[1]

ترجمہ: مذہب کا معنٰی طریقہ اور راستہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں مذہب حسن یعنی اچھے طریقے پر چلا۔

گویا مذہب ایسے راستے، طریقے یا نظریے کو کہتے ہیں جو انسان اپنی مرضی سے اختیار کر کے خود کو اس کا راہی بناتا ہے۔ ابن منظور الافریقی (630-771ھ) نے لکھا ہے کہ مذہب اس عقیدے کا نام ہے جس پر کاربند رہا جائے: المذهب :المعتقد الذى يذهب اليه۔[2]

عربی لغت کے مطابق مذہب ایسے عقائد و نظریات یعنی ضابطہ حیات کا نام ہے جس پر عمل پیرا ہو کر انسان دنیا و آخرت میں فلاح حاصل کرتا ہے۔ اردو لغت میں مذہب کا مفہوم جائے رفتن، راہ، راستہ، پنتھ، طریقہ، دین، دھرم، ایمان، آئین، عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔[3] انگریزی میں مذہب کے لیے Religion کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے مفہوم میں طریقہ عبادت، عقیدہ اور مافوق الفطرت قوتوں کے خوف و اطاعت سے منسلک ہونے کے ملتے ہیں۔ مشہور مفکر ڈرخائم (Emile Durkheim:1858-1917) مذہب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

A religion is a unified system of beliefs and practices relative to sacred things.[4]

ترجمہ: مذہب مقدس چیزوں کے ساتھ عقیدہ اور طریقوں کا ایک متحد نظام ہے۔

اس تعریف کے مطابق مذہب اعتقاد اور اعمال کا ایسا نظام ہے جو انسان مقدس ہستیوں اور مقدس اشیاء کے ساتھ ترتیب دے کر اپنی زندگی گزارتا ہے۔ لہٰذا مذہب بنیادی طور پر انتہائی مقدس تصور ہے کیونکہ اس مقدس تصور کی بدولت لوگ خود کو غیر معمولی قوتوں سے منسلک مانتے ہیں۔ جیسا کہ کیتھرین ایل البانی[5] (Catherine L. Albanese: 1940-) اس تصور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

Religion can be seen as a system of symbols by means of which people locate themselves in the world with reference to both ordinary and extra-ordinary powers, meanings and values.[6]

ترجمہ: مذہب کو علامتی نظام کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے جس کے ذریعے لوگ اپنے آپ کو معمولی اور غیر معمولی قوتوں، ذرائع اور قدروں کے حوالے سے دنیا میں اپنی شناخت بناتے ہیں۔

گویا کہ مذہب مختلف علامات پر مبنی ایک ایسا نظام ہے جو کائنات میں موجود قوتوں کے بارے میں رہنمائی کر کے مظاہرِ فطرت کو سامنے لا کر انسان کو اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ اس کائنات میں پائی جانے والی مختلف قوتیں کسی غیر معمولی قوت کی مرہونِ منت ہیں۔

ایک معاشرتی اصطلاح کے طور پر مذہب انسان کی روحانی زندگی سے متعلق سرگرمیوں کے مجموعے کا نام ہے۔ جیسا کہ ای بی ٹیلر (Edward Burnett Tylor :1832-1917) نے اپنی کتاب Primitive Culture میں لکھا ہے:

Religion means the belief in spiritual beings.[7]

ترجمہ: مذہب روحانی موجودات پر اعتقاد کا نام ہے۔

گویا مذہب ایک ایسا راستہ ہے جس پر چل کر انسان روحانی موجودات پر یقین کر کے خود کو اپنے خالق و مالک کے قریب کرتا ہے۔ جس کی بدولت انسان اور اس کے معبود کے درمیان ایک مضبوط تعلق استوار ہو جاتا ہے۔ یعنی مذہب روحانی طور پر انسان کو خدا سے ملاتا ہے۔

مذہب کا اسلامی تصور:

قرآنِ حکیم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوالانسان حضرت آدم علیہ السلام کو جب اس دنیا میں بھیجا تو اس کی مادی ضروریات کے ساتھ اس کی روحانی تسکین کا سامان، خدائے واحد رب العالمین کی عبادت میں مہیا کیا۔ نہ صرف یہ کہ انسان ازل سے ہی توحید پرست تھا بلکہ توحید الٰہی کی دعوت دینے والا پیغامبر بھی تھا۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام انسانوں کو صراط مستقیم اور توحید خالص سکھانے کے لیے ہر قوم کی طرف مبعوث کیے گئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ[8]

ترجمہ: ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا، اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ ہر امت یعنی گروہِ انسانی میں انبیاء ورسل کو اللہ تعالیٰ توحید کا پرچار کرنے کے لیے مبعوث فرمایا تاکہ بعد میں کسی کے پاس راہِ فرار کا کوئی راستہ نہ بچے۔ جیسا کہ امام فخر الدین رازی (1736ء-1795ء) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فبين تعالى أن سنته في عبيده إرسال الرسل إليهم،وأمرهم بعبادة الله ونهيهم عن عبادة الطاغوت[9]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے رسولوں کو ان کے پاس بھیجتا ہے، جو انھیں خدا کی عبادت کا حکم دیتے اور بتوں کی پوجا کرنے سے منع کرتے ہیں۔

یہی بات دوسری آیت میں اس طرح مذکور ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ [10]

ترجمہ: ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی (1730ء-1810ء) اس آیت کی وضاحت میں یوں رقم طراز ہیں:

يعنى ليس الأمر بالتوحيد منحصرا في القران والتورية والإنجيل الموجودة --- بل كل رسول أرسلناه كنّا نوحى إليهم التوحيد[11]

ترجمہ: یعنی توحید کا حکم صرف اس قرآن توریت اور انجیل میں ہی نہیں ہے بلکہ جو پیغمبر بھی ہم نے بھیجا اس کو یہی پیغام دیا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔

مذکورہ بالا قرآنی حقائق سے اس بات کی وضاحت ہو گئی کہ آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم ﷺ کے زمانے تک جتنے انبیاء مبعوث ہوئے اور جتنی آسمانی کتابیں نازل ہوئیں، ان سب کا ایک ہی پیغام تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تاہم مختلف شواہد اور جدید تحقیق کے بعد یہ بات عیاں ہو گئی کہ مذہب نہ تو کوئی ارتقائی نظریہ ہے اور نہ ہی انسانی حالات کی پیداوار ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کو عطا کردہ

وہ قیمتی تحفہ ہے جو انسان کے پیدا ہونے سے اس کے ساتھ ہے اور مرتے دم تک ساتھ ہی رہے گا۔ یعنی پہلا مذہب دنیا میں توحید ہی تھا جس کے ماننے والوں کو مسلمان کہا جاتا تھا لیکن جب لوگوں نے شرک اختیار کیا تو ان کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں انبیاء کرام کو بھیجا۔

انسانی اجتماعیت میں مذہب کا کردار:

مذہب کے ساتھ انسان کا تعلق بہت گہرا ہے۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک دنیا میں لاتعداد مذاہب وجود میں آئے، جن میں سے کچھ آج بھی کسی نہ کسی شکل میں دنیا میں موجود ہیں۔ کچھ کے نام اور موہوم تصورات تاریخ کے اوراق پر ملتے ہیں۔ چند مذاہب کے ثبوت آثار قدیمہ اور گذشتہ قوموں کے تباہ شدہ کھنڈرات اور عبادت گاہوں کی عمارتوں سے بھی ملے ہیں۔ تاہم قدیم تہذیبوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا کہ دنیا کے ہر حصہ میں کوئی نہ کوئی مذہب ضرور موجود رہا ہے۔ عماد الحسن آزاد لکھتے ہیں:

> آثار قدیمہ، علم الانسان اور جغرافیائی تحقیقات نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اب تک انسانوں کی کوئی مستقل جماعتی، قومی یا تہذیبی زندگی ایسی نہیں رہی ہے جو مذہب کی کسی نہ کسی شکل سے یکسر عاری ہو۔ یہ چیز اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مذہب کا تعلق ضرور بضرور انسان کی کسی بہت بنیادی ضرورت سے ہے جس کے بغیر اس کی دنیوی زندگی اگر خطرے میں نہیں پڑے گی تو کم از کم سنگین بحران کا شکار ضرور ہو جائے گی۔ [12]

گویا انسان جب سے اس دنیا میں آیا ہے وہ کسی نہ کسی مذہب کے ساتھ ضرور منسلک رہا ہے کیونکہ مذہب انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ جس کے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان ہر وقت یہ سوچتا نظر آتا ہے کہ انسان کیا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ مختلف قسم کے چرند پرند، پانی، آگ، ہوا، مٹی، درخت، پتھر، پہاڑ، دریا، بارش، بجلی اور اس کی کڑک کا پیدا ہونا، جینا، مرنا اور رات، دن یہ سب کس کے لیے بنائے گئے؟ اور وہ کون سی ہستی ہے جو ہر وقت اس سارے نظام کو چلا رہی ہے؟ انسان اس حقیقت تک جا پہنچا کہ سب انسانوں سے بالاتر ایسی کوئی ذات ضرور موجود ہے۔ جو اس کائنات کے نظام کو احسن طریقے سے چلا رہی ہے۔ سید علی ندوی (1914ء-1999ء) کہتے ہیں:

> جب ہم کائنات پر نظر ڈالتے ہیں، اس کی وسعت، اس کی عظمت، اس کی صنعت اور حکمت، اس کے قوانین کی ہمہ گیری، اس کے عناصر کا اعتدال، اس کے اجزاء کا تناسب اور ان کا باہمی تعاون دیکھتے ہیں تو ہماری عقل سلیم یہ فرض کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی، کہ یہ کارخانہ بغیر بنانے والے کے بن گیا، بغیر کسی چلانے والے کے چل رہا ہے، کوئی مقصد اور غرض وغایت نہیں رکھتا اور یوں ہی خود بخود ختم ہو جائے گا۔ [13]

نظریہ حیات کا تصور:

کائنات اور خالقِ کائنات کے متعلق یہ نظریہ حیات انسان کو مذہب نے عطا کیا ہے۔ مذہب نے انسان کو اس کائنات میں اس کے مقام و مرتبہ سے آشنا کیا، پھر اس کا اس کائنات کے ساتھ اور خالقِ کائنات کے ساتھ تعلق واضح کیا اور پھر اسے مقصد حیات سے آشنا کیا۔

قرآن حکیم نے انسان کو یاد دلایا ہے کہ اس کے خالق ومالک نے زمین پر انسان کو نہ صرف ایک خاص مقام و مرتبہ عطا کیا ہے بلکہ اسے عقل وشعور کی نعمت سے سرفراز کر کے، زمین و آسمان کی بہت سی طاقتوں کو اس کے لیے مسخر کر دیا ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً [14]

ترجمہ: پھر ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

اس کے ساتھ انسان کو ہدایت کی گئی کہ وہ کائنات کے قدرتی نظام کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے اور اسی ضابطے کو اختیار کر لے جس کو ساری کائنات اپنائے ہوئے ہے۔ ایسی صورت میں وہ دیکھے گا کہ اسے کائنات میں عزت و تکریم کے مراتب ملتے جارہے ہیں۔ قرآن کا بیان ہے کہ:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا [15]

ترجمہ: یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔

امام نسفی (1240ھ-1310ھ) انسان کے مقام و مرتبے کو ان نعمتوں کا مصداق ٹھہراتے ہیں:

بالعقل والنطق والخط والصورة الحسنة والقامة المعتدلة و تدبير أمر المعاش والمعاد والاستيلاء وتسخير الأشياء وتناول الطعام بالأيدي[16]

ترجمہ: عقل و نطق، خط، خوبصورت شکل، مناسب قد، تدبیر امور معاش اور معاد، تمام پر غلبہ، تسخیر اشیاء، تناول طعام بالایدی وغیرہ سے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ خالق کائنات کے ساتھ انسان کا تعارف اور اپنے مقام و مرتبہ سے آگہی، مذہب کی بدولت ہی ممکن ہوئی۔ مذہب نے انسان کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ وہ اشرف المخلوقات ہے اور کائنات کی تمام اشیاء اس کے فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ مذہب دنیا میں انسان کو زندگی گزارنے کے لیے اصول و ضوابط فراہم کرتا ہے۔ انسان میں احساس ذمہ داری کا شعور پیدا کرکے اسے اپنے فرائض اور واجبات یاد دلاتا ہے۔ تاکہ وہ اس کے مطابق دوسرے لوگوں کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرے، جیسا اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کیا۔ سید مودودی (1903ء-1979ء) لکھتے ہیں:

پس جب انسان کو خدا کا خلیفہ اور نائب قرار دیا گیا تو اس کے معنٰی یہ ہوئے کہ انسان خدا کی نیابت و خلافت کا پورا حق اس وقت ادا کر سکتا ہے۔ جب خدا کی مخلوق کے ساتھ برتاو کرنے میں اس کی روش بھی ویسی ہی ہو جیسی خود خدا کی روش ہے۔ یعنی جس شانِ ربوبیت کے ساتھ خدا اپنی مخلوق کی خبر گیری اور پرورش کرتا ہے ویسی ہی شان کے ساتھ انسان بھی اپنے محدود دائرہ عمل میں ان چیزوں کی خبر گیری اور پرورش کرے جو اللہ نے اس کے قبضہ قدرت میں دی ہیں۔[17]

گویا مذہب ایسی اخلاق ساز قوت کا نام ہے جو انسان کو شرفِ انسانیت سے گرنے ہی نہیں دیتی بلکہ خدمتِ انسانی اور فلاح انسانی کے ایسے زریں اصول مہیا کرتی ہے۔ جن کی پاسداری سے تعمیر انسانیت اور اعلیٰ تہذیب کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔

روحانی تسکین کی فراہمی:

انسانی زندگی میں مذہب تسکین کا باعث بنتا ہے اور انسانوں کو محفوظ ہونے کے احساس سے روشناس کرواتا ہے۔ جب کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہے تو اس سے انسان میں اعتماد پیدا ہوتا ہے اور وہ خود میں ایک غیبی طاقت محسوس کرتا ہے۔ اس تجربے کو مختلف مذہبی روایات میں مختلف صورتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ دنیوی زندگی میں انسان قدم قدم پر مختلف پریشانیوں اور مصیبتوں کا شکار ہوتا ہے، اپنی تنہائی و بے بسی کا احساس انسان کو اس وقت ہوتا ہے جب وہ زندگی میں کسی بڑے سانحہ سے دوچار ہوتا ہے، تو ایسی صورت حال میں مذہب روشنی کی کرن بن کر انسان کے سامنے آتا ہے۔ جس کی بدولت زندگی میں پیش آنے والے مصائب و آلام کا مقابلہ کرنے کی انسان میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ مذہب

مایوسی اور ناامیدی کے لمحات میں اس کا دفاع کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں آتا ہے:

وَلَا تَہِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ[18]

ترجمہ: دل شکستہ نہ ہو، تم ہی غالب رہوگے اگر تم مومن ہو۔

اس آیت کے ضمن میں سید قطب(1906ء-1966ء) لکھتے ہیں:

لا تهنوا- من الوهن والضعف-ولا تحزنوا-لما أصابكم ولما فاتكم- وأنتم الأعلون.. عقيدتكم أعلى-- ومنهجكم أعلى. فأنتم تسيرون على منهج من صنع الله، وهم يسيرون على منهج من صنع خلق الله! ودوركم أعلى--- ومكانكم في الأرض أعلى، فلكم وراثة الأرض التي وعدكم الله بها، وهم إلى الفناء والنسيان صائرون---وإن كنتم مؤمنين حقاً فلا تهنوا ولا تحزنوا[19]

ترجمہ: یہ لفظ وہن سے نکلا ہے جس کے معنی ضعیفی کے ہیں اور غم نہ کرو یعنی ان مصائب پر جو تمہیں پیش آرہے ہیں یا ان مفادات کے لئے جو تم سے چھوٹ گئے۔ تم غالب اور برتر ہو۔ اس لئے کہ تمہارا نظریہ حیات برتر ہے۔۔۔ اور تمہارا نظام حیات ان کے نظام حیات کے مقابلے میں افضل و برتر ہے۔ تم اس نظام کے مطابق زندگی بسر کررہے ہو جسے اللہ نے بنایا ہے اور وہ اس نظام زندگی کے پیروکار ہیں جو انسانوں نے بنایا ہے۔ تمہارا رول ان کے مقابلے میں برتر ہے۔۔۔ اس کرہ ارض پر تمہارا مقام بلند مقام ہے۔ تم اس وراثت کے حاملین میں سے ہو جس کا تمہارے ساتھ اللہ نے عہد کر رکھا ہے اور ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ عدم اور فنا کی طرف بڑھ رہے ہیں۔۔۔ اور اگر تم سچے مومن ہو تو نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور نہ دل شکستہ ہو۔

امید ورجا کا تصور:

مذہب انسان کو مایوسی اور ناامیدی کے حالات میں حوصلہ افزائی کر کے مصائب وآلام سے مقابلہ کرنے کی ہمت دیتا ہے۔ لوگوں کو اپنے مذہب اور خدا کے قریب لاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں لوگ اپنے مذہب سے راحت وسکون حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ شکستہ حالات میں مذہب ہی ان کی امیدوں کا مرکز بن جاتا ہے۔ چنانچہ عماد الحسن آزاد مذہب کی اسی جہت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مذہب کا ایک خانہ یا اُس کا ایک پہلو فرد کی باطنی زندگی سے تعلق رکھتا ہے جہاں وہ مذہب کی حقیقت سے بطور ایک احساس اور باطنی واردات کے دوچار ہوتا ہے یہی وہ دنیا ہے جہاں مذہب اپنی اصل حقیقت میں بے نقاب ہوتا ہے اور انسان کا اُس سے براہ راست تعلق قائم ہوتا ہے۔ اس لیے یہی وہ سطح ہے جہاں باطنی تجربہ میں آکر مذہب انسان کی مذہبی تشنگی کو دور کرتا ہے۔[20]

مذکورہ دلائل سے معلوم ہوا کہ مذہبی آدمی ہر حال میں اپنے خالق ومالک پر اپنا اعتماد رکھتا ہے اور کبھی بھی زندگی کی مشکلات سے ڈر کر مایوسی کا شکار نہیں ہوتا۔ وہ خود کو اپنے مالک کی حفاظت کے حصار میں محسوس کرتا ہے اور کبھی خودکشی کی کوشش نہیں کرتا۔ انسان جب زندگی کے مصائب میں پھنس کر حوصلہ کھو دیتا ہے تو یہ مذہب ہی ہے جو نہ صرف ان دکھوں کو برداشت کرنے کی قوت دیتا ہے بلکہ اندھیرے میں امید کی کرن بن جاتا ہے۔

لہٰذا مذہب دنیا میں انسانی دکھوں اور پریشانیوں کو دور کرنے اور خوشیوں کا ضامن بن کر آیا ہے۔ لیکن بعض مفکر مذہب کو مصائب وآلام کی بنیاد قرار دے کر لوگوں کو مذہب سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک مذہب لوگوں کو سوائے دکھ، تکلیف کے اور کچھ

عطا نہیں کرتا۔ پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی(1964ء)اس بات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مذہب کے انسانی زندگی پر اثرات کے جزوی مطالعہ کرنے والے بعض مفکرین سطحیت پر اتر آئے اور خود مذہب کے وجود کو غیر ضروری قرار دینے لگے۔ مذہبی تعلیمات کی روشنی میں انسان میں صبر و قناعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے وہ بعض اوقات کم کوش انسانوں کو بے عملی کی طرف لے جاتا ہے۔ لہٰذا اشتراکی مفکر کارل مارکس (Karl Marx)نے ایسے افراد کی زندگی کو دیکھ کر یہاں تک کہہ دیا ہے کہ مذہب افیون ہے۔۔۔ اس کے مقابلے میں ایسے مفکرین جنہوں نے انسانی زندگی پر مذہب کے وسیع تر مثبت اور تعمیری اثرات کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت کا برملا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ Man without religion is the creature of circumstances (مذہب کے بغیر آدمی حالات کی پیداوار کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔) انگلستان کے مفکر وائٹ ہیڈ(Whitehead) کے بقول مذہب اعتقاد کی اس قوت کا نام ہے جو انسان اور انسانی کردار میں انقلاب برپا کر دیتی ہے، بشرطیکہ انہیں بصیرت کے ساتھ سمجھا جائے اور خلوص کے ساتھ قبول کیا جائے۔[21]

طہارت وپاکیزگی کی تلقین:

مذہب نے انسان کو جسمانی طہارت اور روح کی پاکیزگی کا تصور دیا ہے۔ مذہب ہی انسان کو جسمانی طور پر صاف ستھرا رہنے خود کو ذہنی اور روحانی پاکیزگی سے مزین کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ دنیا کی تمام مذاہب میں جسمانی طہارت سے متعلق جس طرح تعلیمات موجود ہیں اسی طرح نفس کے تزکیے کی ہدایات عطا کی گئی ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى [22]

ترجمہ: یقینا فلاح پا گیا وہ شخص جس نے پاکیزگی اختیار کی۔

اس آیت کے ضمن میں وہبہ زحیلی (1932ء-2015ء) لکھتے ہیں:

أي قد فاز ونجا من العذاب من تطهّر من الشرك، فآمن بالله ووحّده وعمل بشرائعه، وتعهد نفسه بالتزكية والتهذيب والتطهير من الرذائل والمفاسد والأخلاق الوضيعة، وتابع ما أنزل الله تعالى على رسوله صلّى الله عليه وسلّم [23]

ترجمہ: یعنی وہ شخص عذاب سے بچنے میں کامیاب ہوگیا، جس نے خود شرک سے پاک کر لیا، پس وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لا کر اس کے شرائع پر عمل کیا، ور اس نے خود سے عصمت دری، بددیانتی اور کم اخلاق سے پاک ہونے کا عہد کیا، اور اس کی پیروی کی، جو کچھ خدا تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل کیا۔

چنانچہ کتابِ مقدس میں طہارت و پاکیزگی کو بپتسمہ[24] کی رسم سے منسوب کیا گیا ہے:

And saying, Repent ye: for the kingdom of heaven is at hand. For this is he that was spoken of by the prophet Esaias, saying, The voice of one crying in the wilderness, Prepare ye the way of the Lord, make his paths straight.[25]

ترجمہ: یوحنا نے پکار کر کہا آسمانی بادشاہت قریب آگئی ہے۔ تم اپنے گناہوں سے توبہ کر کے خدا کی طرف متوجہ

ہو جاؤ۔ وہ اس طرح منادی دینے لگا۔ خداوند کیلئے راہ ہموار کرو، اسکی راہوں کو سیدھی بناؤ، اس طرح صحرا میں پکارنے والا پکار رہا ہے۔ یوں بپتسمہ دینے والے یوحنا کے بارے میں یسعیاہ نبی نے کہا تھا۔

انسانی تمدن کی تشکیل:

مذہب صرف خدا کی عبادت اور روح کی تسکین کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ یہ انسانی شعور کی وہ عظیم الشان باطنی قوت ہے جس سے معاشرے میں اجتماعیت اور روحانی رابطے قائم ہوتے ہیں۔ تمدنی لحاظ سے مذہب کی حیثیت معاشرے میں بہت اہمیت کی حامل ہے کیونکہ مذہب کا تعلق انسانی احساسات کے ساتھ بہت گہرا ہے۔ مذہب ہی کے تحت انسان معاشرے کے لیے وہ اصول و قوانین متعین کرتا ہے جس کے ذریعے تمدن اپنی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے ایک منظم اور مستحکم وجود حاصل کرتا ہے۔ پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں:

> دنیا میں انسان کی دو بنیادی ضرورتیں ہیں۔ ایک طرف جسم اور روح کے رشتے کو قائم رکھنے کے لیے مادی وسائل اور دوسری طرف انفرادی اور اجتماعی زندگی کو صحت مند بنیادوں پر رکھنے کے لیے اخلاقی اور تمدنی اصولوں کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ان دونوں ضرورتوں کو پورا کیا ہے۔ مادی اور انسانی احتیاجات کی تسکین کے لیے وسائل کا ایک نہ ختم ہونے والا زمین و آسمان میں ودیعت کر دیا اخلاقی اور تمدنی ضرورت کے لیے انبیا اکرام بھیجے جنھوں نے انسان کو زندگی گزرانے کا راستہ سکھایا اس راستے کو مذہب کہتے ہیں۔[26]

گویا معاشرتی زندگی میں مذہب اجتماعیت کے لیے بنیاد مہیا کرتا ہے یہ نہ صرف انسان کی انفرادی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے بلکہ نظام خاندان جس کی بنیاد خونی رشتوں پر ہوتی ہے یہ نہ صرف اس کی بنیادی اکائی ہے بلکہ نسل انسانی کو تحفظ فراہم کرنے کا بھی اہم ذریعہ ہے۔ اس نظام کی بدولت انسان کو بہتر زندگی بسر کرنے کے مواقع ملتے ہیں، اس کی پرورش فطری تقاضوں کے مطابق ہوتی ہے، اس کی فطری صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے اور وہ پر اعتماد طریقے سے کامیابی کی منازل طے کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تہذیبوں کے عروج و زوال میں خاندانی نظام کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور مضبوط خاندانی نظام کے بغیر بہتر تہذیب کا پروان چڑھنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے چنانچہ سید مودودی (1903ء-1979ء) لکھتے ہیں:

> انسانی تمدن کے سب سے مقدم اور سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلے دو ہیں جن کے صحیح اور متوازن حل پر انسان کی فلاح و ترقی کا انحصار ہے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اجتماعی زندگی میں مرد اور عورت کا تعلق کس طرح قائم کیا جائے کیونکہ یہی تعلق دراصل تمدن کا سنگ بنیاد ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ اگر اس میں ذرا سی بھی کجی آجائے تو "تاثریا می رود دیوار کج" اور دوسرا مسئلہ فرد اور جماعت کے تعلق کا ہے جس کا تناسب قائم کرنے میں اگر ذرا سی بے اعتدالی بھی باقی رہ جائے تو صدیوں تک عالم انسانی کو اس کے تلخ نتائج بھگتنے پڑتے ہیں۔[27]

اخلاقی اقدار کی تفہیم:

مذہب نے نہ صرف انسان کو خاندان بنانے کا شعور عطا کیا بلکہ خاندان بنانے کے لیے ماں باپ کا ملاپ، رشتوں پر اعتماد، خاندانی نظام بنانے، سنوارنے اور آگے بڑھانے کا شعور مذہب نے ہی انسان کو عطا کیا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب مرد و زن کو آپس کے تعلقات مقدس طریقے سے جوڑنے کی تلقین کرتے ہیں کیونکہ اس تعلق سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ مرد اور عورت کے رشتے کی مضبوطی معاشرے کی

مضبوطی کو بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ اتفاق واتحاد، مل جل کر رہنا، بڑوں کی عزت و احترام، حقوق و فرائض کا تعین، چھوٹوں سے محبت وشفقت یہ سب کچھ کسی انسانی سوچ کی پیداوار نہیں بلکہ انسان کو مذہب کے عطا کردہ تحفہ کا مرہون منت ہے۔ ڈاکٹر مستفیض احمد علوی (1964ء) لکھتے ہیں:

معاشرتی اصطلاحات کے لحاظ سے شروع کیا جائے تو تہذیب کی بنیادی اکائی یا خاندان کے آغاز سے لے کر تمدن کے تمام بڑے بڑے ادارے مذہب ہی کی تعلیمات کا نتیجہ ہیں۔ اگر ہم نظام خاندان کو مذہب کا ابتدائی تحفہ قرار دیں تو تب بھی ہم آغاز ٹھیک نہیں کر رہے کیونکہ خاندان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے خود خاندان بنانے کے لیے اس شعور و آگہی کی فراہمی بھی تو مذہب ہی کی مرہون منت ہے۔[28]

یعنی معاشرے کو بنانے، سنوارنے اور آگے بڑھانے کی تفصیلات صرف اور صرف مذہب ہی کی عطا کردہ ہیں۔ مذہب ہی وہ شے ہے جس نے انسان کے معاشرے میں فروغ پانے والے تمام اداروں کی بنیاد فراہم کی ہے۔ پھر چاہے وہ خاندان ہو یا اس سے آگے بڑھ کر ریاست و حکومت ان سب اداروں کا آغاز مذہب کی تعلیمات کے ذریعے ہی ہوا ہے اور اس نے ہی ان سے انسان کو متعارف کروایا ہے۔

گویا انسان کی معاشرتی زندگی میں سب سے اہم کردار انسان کی سوچ اور اس کے نظریات کا ہوتا ہے۔ (جو اسے مذہب عطا کرتا ہے) کیونکہ انسان زندگی کی تمام حقیقتوں کو اپنے خیالات کی روسے دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی سوچ نہ صرف فرد کی ذاتی زندگی میں اس پر حکمرانی کرتی ہے بلکہ معاشرتی زندگی میں دوسروں کے ساتھ اس کے رویے پر بھی اس کی سوچ اور نظریات اثرانداز ہوتے ہیں اور یہی سوچ اگر مثبت ہوگی تو معاشرے کو تعمیر کی طرف لے جائے گی بصورت دیگر معاشرہ تخریب کاری کا شکار ہو جائے گا۔

مذہب انسانی زندگی کے لیے اعلیٰ اخلاقی اصول فراہم کرتا ہے اخوت، مساوات، ایمانداری، برداشت، برابری، رواداری، قربانی، محتاجوں اور دوسرے رشتہ داروں کی مدد یہ وہ اخلاقی اصول ہیں جن کے بغیر ہماری زندگی میں توازن نہیں رہتا۔ اور زندگی نہ صرف افراتفری کا شکار ہو جاتی ہے بلکہ اکثر اوقات ختم بھی ہو جاتی ہے۔ مذہب کے بغیر اخلاقی اور سماجی خصوصیات کو حاصل کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ مذہب کی عدم موجودگی میں یہ اقدار اپنی اہمیت کھو دیتی ہیں اور اخلاقیات تنزلی کا شکار ہو جاتی ہیں۔

عہد نامہ قدیم میں اخلاقی تعلیمات کے واضح احکام "احکامِ عشرہ" (Ten Commandments) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے:

Honour thy father and thy mother: that thy days may be long upon the land which the LORD thy God giveth thee. Thou shalt not kill. Thou shalt not commit adultery. Thou shalt not steal. Thou shalt not bear false witness against thy neighbour. Thou shalt not covet thy neighbour's house, thou shalt not covet thy neighbour's wife, nor his manservant, nor his maidservant, nor his ox, nor his ass, nor any thing that is thy neighbour's.[29]

ترجمہ: اپنے ماں باپ کی عزت کرو۔ یہ اس لئے کرو کہ تمہارے خداوند خدا جس زمین کو تمہیں دے رہا ہے اس میں تم ساری زندگی گزار سکو۔ تمہیں کسی آدمی کو قتل نہیں کرنا چاہیے۔ تمہیں بدکاری کا گناہ نہیں کرنا چاہیے۔ تمہیں چوری نہیں کرنی چاہیے۔ تمہیں اپنے پڑوسیوں کے خلاف جھوٹی گواہی نہیں دینی چاہیے۔ دوسرے لوگوں کی چیزوں کو لینے کی خواہش نہیں کرنی چاہیے۔ تمہیں اپنے پڑوسی کا گھر، اس کی بیوی، اس کے خادم اور خادمائیں، اس کی گائیں اس کے گدھوں کو لینے کی خواہش نہیں کرنی چاہیے۔ تمہیں کسی کی بھی چیز کو لینے کی خواہش نہیں کرنی چاہیے۔

یعنی مذہب معاشرتی زندگی میں اخلاقی اقدار کو فروغ دینے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ اسی لیے اس زندگی سے متعلق ہر مذہب نے کچھ اصول و قوانین وضع کیے ہیں۔ جن کی پابندی ہر مذہب کے پیروکاروں پر لازم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں موجود تمام بڑے مذاہب میں انسانیت کو باہم جوڑنے کی بنیادی اخلاقی قدریں مشترک ہی نہیں بلکہ ان کا حکم بھی ایک جیسا ہی ہے۔ مثلاً سچائی، عدل و انصاف، وفا شعاری، ایفائے عہد، فرض شنائی، احساس ذمہ داری، نظم و ضبط، امدادِ باہمی، اخوت وبھائی چارہ اوراتفاق واتحاد جیسے اوصاف باہمی تعلقات استوار کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔

چنانچہ شیخ احمد دیدات(2005ء-1918ء) کے تصورات کے مطابق سچائی، پاس عہدی، خودداری، میل ملاپ، شائستگی، فرض شناسی، اتفاق اور دوسری اچھی صفات کو سب مذاہب نے سراہا ہے اور اس کے برعکس تمام مذاہب نے بد عہدی، ظلم، بخل، ترش روئی، خیانت، چغلی، غیبت اور تمام دوسری برائیوں کو برا سمجھا ہے، یعنی یہ اخلاقی اقدار مذاہب عالم کا مشترکہ ورثہ ہیں۔[30]

مذکورہ بالا گفتگو سے معلوم ہوا کہ کسی بھی ملت کے نظام اخلاق، نظام معاشرت اور تمدن کا دارومدار ان اساسی اصولوں پر ہوتا ہے جو اس قوم میں رائج مذہب فراہم کرتا ہے۔ کیونکہ انسانی زندگی میں مذہب ہی ایک ایسا نظام ہے جو معاشرے میں افراد کے لیے وہ سب رسم و رواج، قوانین، طرز حیات اور دیگر معاملات طے کرتا ہے اور معاشرہ انہی ستونوں پر قائم ہوتا ہے۔ باقی عام لوگ اسے خدا کی جانب سے عطا ہونے والی ناقابل انکار حقیقت سمجھتے ہیں اور اس سے منحرف ہونا گناہ سمجھتے ہیں۔

لہٰذا وہ قوم انہی ہدایات کی روشنی میں اپنی زندگی کے مسائل کا حل ڈھونڈتی ہے۔ سارے تمدن کی تعمیر اور اس میں پائے جانے والے اخلاق اوصاف انہی روایات اور نظریات پر ہوتے ہیں جو مذہبی تعلیمات کی بدولت عوام الناس میں رائج ہوتے ہیں۔ کیونکہ بلاشبہ وہ قوت مذہب ہی ہے جو معاشرے کو وجود میں لاتی ہے۔

علمی اور سائنسی ترقی کا جذبہ:

مذہب انسان کو علمی اور سائنسی ترقی کے لیے جذبہ فراہم کرتا ہے دنیا کے تقریباً تمام مذاہب، خاص طور پر اسلام، اپنے پیروکاروں کو حصول علم کا درس دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں یہ دنیا اور اس میں موجود چیزیں انسان کے لیے پیدا کیں، وہیں انسان کو دنیا کو اپنے علم، عقل اور قوت سے تسخیر کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ قرآن مجید کی شان اس سلسلے میں تمام مقدس کتابوں میں منفرد ہے، وہ ایسی ہدایات رکھنے والی آیات سے معمور ہے، جن میں انسان کو کائنات پر غوروفکر کرنے اور عقل وشعور کے استعمال کی تاکید ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۭوَيُمْسِكُ السَّمَاۗءَ اَنْ تَقَعَ عَلَي الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭاِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ [31]

ترجمہ: کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس نے وہ سب کچھ تمہارے لیے مسخر کر رکھا ہے جو زمین میں ہے اور اسی نے کشتی کو قاعدے کا پابند بنایا ہے کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے، اور وہی آسمان کو اس طرح تھامے ہوئے ہے کہ اس کے اذن کے بغیر وہ زمین پر نہیں گر سکتا؟ واقعہ یہ ہے کہ اللہ لوگوں کے حق میں بڑا شفیق اور رحیم ہے۔

یہ درخت، دریا، سمندر، پہاڑ، جانور، رات اور دن، روشنی و تاریکی، چاند، سورج اور ستارے سب انسان کے خادم ہیں اور ان سب کو انسان کا مخدوم بنایا گیا ہے۔ اور یہ بڑی بے عقلی کی بات ہے کہ انسان اپنے خادموں کے سامنے سر جھکاتا پھرے، ان کو اپنا حاجت روا سمجھے اور ان کے

آگے دستِ سوال دراز کرے، ان سے مدد کی التجائیں کرے، ان سے ڈرتا اور خوف کھاتا رہے اور ان کی عظمت و بزرگی کے گیت گاتا رہے۔ ایسا کرنے سے نہ صرف اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے اور اپنا مرتبہ گراتا ہے بلکہ خادموں کا خادم اور غلاموں کا غلام بن کر اپنے خالق و مالک کی بھی ناشکری کرتا ہے۔[32]

علامہ اقبال(1877ء-1938ء) اپنے خطبے میں مذہب کی اسی جہت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> مذہب ہی وہ ذریعہ ہے جس سے افکار وخیالات کی دنیامیں وسعت پیدا ہوتی ہے اور جس کے سہارے ہم زندگی، قوت اور طاقت کے دائمی سرچشمے تک پہنچتے ہیں۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مذہب کی حیثیت دراصل اس اقدام کی ہے جو بالارادہ اسی لیے کیا جاتا ہے کہ اس اصول تک پہنچ سکیں جس پر فی الحقیقت قدروں کا دارومدار ہے اور جن کے سہارے ہم اپنے قوائے ذات کی شیرازہ بندی کرسکتے ہیں۔[33]

معلوم ہوا کہ مذہب انسان کو انسانی قیود میں دیکھنا چاہتا ہے، کیونکہ جب انسان اپنی حدود پھلانگے گا اور ان سے تجاوز کرے گا تو مذہب اسے خطرے کا الارم سنادے گا۔ مذہب انسان کا تعلق نہ صرف خالق سے جوڑتا ہے بلکہ رب کو راضی کرنے پر اسے آمادہ بھی کرتا ہے، خالق کی رحمت کے قریب کرتا ہے، اس کے لطف و کرم کی یاددہانی کرواتا ہے، انسان کو اپنے خالق و مالک کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی دعوت دیتا ہے۔

منظم معاشرتی اور سماجی اداروں کا شعور:

مذہب نے نہ صرف انسان کو خاندان بنانے کا شعور عطا کیا بلکہ خاندان بنانے کے لیے ماں باپ کا ملاپ، رشتوں پر اعتماد، خاندانی نظام بنانے، سنوارنے اور آگے بڑھانے کا شعور مذہب نے ہی انسان کو عطا کیا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب مرد وزن کو آپس کے تعلقات مقدس طریقے سے جوڑنے کی تلقین کرتے ہیں کیونکہ اس تعلق سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ مرد اور عورت کے رشتے کی مضبوطی معاشرے کی مضبوطی کو بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ اتفاق واتحاد، مل جل کر رہنا، بڑوں کی عزت واحترام، حقوق و فرائض کا تعین، چھوٹوں سے محبت و شفقت یہ سب کچھ کسی انسانی سوچ کی پیداوار نہیں بلکہ انسان کو مذہب کے عطا کردہ تحفہ کا مرہون منت ہے۔

انسان تنہا زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ وہ شروع دن سے ہی مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے، اسی لیے جب وہ گھر سے باہر کی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو معاشرہ جنم لیتا ہے اور عائلی زندگی کا دائرہ بڑھ جاتا ہے اور ساتھ ہی انسانی فرائض میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے ان فرائض کو احسن طریقے سے ادا کرنے کے لیے تمام مذاہب نے کچھ اصول و قوانین فراہم کیے ہیں جن کی پابندی ہر مذہب اپنے پیروکاروں کو کرنے کی تلقین کرتا ہے تاکہ انسان کی معاشرتی زندگی کو بہتر سے بہتر بنایا جاسکے۔

بعض تہذیبوں میں مذہب دوران خون کی طرح معاشرتی زندگی کے تمام پہلوؤں میں پیوست ہے جیسا کہ اسلامی تہذیب و تمدن اور بعض تہذیبوں میں مذہب تمدنی ڈھانچے میں اپنا الگ وجود رکھتا ہے جیسا کہ مغربی تہذیب۔ مذہب افراد کی اصلاح کے ساتھ ساتھ معاشرے کو بھی مضبوط بنیادوں پر استوار کرتا ہے۔ مذہب میں اخلاقیات کے پہلو کا تعلق انسان کے معاشرتی معاملات کے ساتھ ہی خاص ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، پڑوسیوں سے بہتر تعلقات، یتیموں اور بیواؤں کے حقوق اور لین دین کے معاملات وغیرہ انسانی زندگی میں معاشرے کے افراد کے لیے رسم ورواج طرز حیات اور قوانین مذہب ہی متعین کرتا ہے۔

کسی بھی ملت کے نظام اخلاق، نظام معاشرت اور تمدن کا دارومدار ان اساسی اصولوں پر ہوتا ہے جو اس قوم میں رائج مذہب فراہم کرتا ہے۔ کیونکہ انسانی زندگی میں مذہب ہی ایک ایسا نظام ہے جو معاشرے میں افراد کے لیے وہ سب رسم ورواج، قوانین، طرز حیات اور دیگر معاملات طے کرتا ہے اور معاشرہ انہی ستونوں پر قائم ہوتا ہے۔ باقی عام لوگ اسے خدا کی جانب سے عطا ہونے والی ناقابل انکار حقیقت سمجھتے ہیں۔ اور اس سے منحرف ہونا گناہ سمجھتے ہیں۔ لہٰذا وہ قوم انہی ہدایات کی روشنی میں اپنی زندگی کے مسائل کا حل ڈھونڈتی ہے۔ سارے تمدن کی تعمیر اور اس میں پائے جانے والے اخلاقی اوصاف انہیں روایات اور نظریات پر ہیں جو عوام الناس میں رائج ہوں۔ بلاشبہ وہ قوت مذہب ہی ہے جو مختلف قسم کے معاشرے وجود میں لاتی ہے۔ دنیا کے مختلف معاشروں کے اوصاف میں اختلاف کا سبب مذہب سے تعلق ہی ہے جن سے معاشرے تشکیل پاتے ہیں۔

ریاست کو چلانے کے لیے اداروں کا قیام اور نظام حکمرانی بھی مذہب کی مرہون منت ہے۔ بچوں، بوڑھوں، کمزوروں اور بے سہارا افراد کے لیے سماجی اداروں کا قیام اس ہمدردانہ سوچ کا نتیجہ ہے جو مذہب نے انسان کو عطا کیا۔ دنیا کی تمام اقوام وملت کسی نہ کسی ضابطے اور نظم کی پابند ہوتی ہیں اور یہ نظم وضبط مذہب کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ وحشی قبائل میں بھی کسی نہ کسی حد تک غلط سلط مذہب کا تصور پایا جاتا ہے کیونکہ مذہب کے بغیر انسان کی نہ تو روحانی پیاس بجھ سکتی ہے اور نہ ہی اسے قلبی سکون میسر آسکتا ہے۔

مذہب خاندان، معاشرہ، ریاست سے بڑھ کر بین الاقوامی تعلقات میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ موجودہ دور میں ساری دنیا ایک آفاقی گاؤں (Global Village) کی صورت اختیار کر چکی ہے ایسے میں ریاستوں کی دوریاں کافی کم ہو گئی ہیں جس کا واضح ثبوت بین الاقوامی ادارے، تنظیمیں، معاشی ادارے، نظام حکومت، میڈیا، رسم ورواج وغیرہ کی صورت میں نظر آتا ہے۔

انسانی تمدن میں مادی، عقلی اور اشراقی تمدن کی صورتیں متوازن معاشرہ قائم کرنے میں ناکام ہو گئیں ہیں جب کہ اس کے برعکس مذہب کے زیر اثر پیغمبروں کی تعلیمات نے جو روحانی یا الہامی تمدن قائم کیا وہی انسان کو مسرت وانصاف کی ضمانت دے سکتا ہے۔ اس میں کچھ ایسے مستقل اخلاقی اصول ہوتے ہیں جن کی پابندی بھی ضروری ہوتی ہے اور وہ انسانیت کے حق میں ہر طرح سے مفید بھی ہوتے ہیں۔

علامہ اقبال اپنے خطبے میں فرماتے ہیں کہ مذہب ہی وہ ذریعہ ہے جس سے افکار وخیالات کی دنیا میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور جس کے سہارے ہم زندگی، قوت اور طاقت کے دائمی سرچشمے تک پہنچتے ہیں۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مذہب کی حیثیت دراصل اس اقدام کی ہے جو بالارادہ اسی لیے کیا جاتا ہے کہ اس اصول تک پہنچ سکیں جس پر فی الحقیقت قدروں کا دارومدار ہے اور جن کے سہارے ہم اپنے قوائے ذات کی شیرازہ بندی کر سکتے ہیں۔ [34]

مختصر یہ کہ انسانی معاشرے کی تشکیل وارتقاء اور ترقی وپیش رفت میں مذہب نے نہایت موثر کردار ادا کیا ہے۔ سماجی زندگی میں عدل وانصاف کا قیام، ظلم واستبداد کے خلاف جدوجہد مذہب کا وطیرہ رہا ہے۔ تمدنی زندگی میں معاہدات، اقرار نامے اور عہد وپیمان کی پابندی کی مذہبی تعلیمات کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اخلاقی اور انسانی اقدار نے بھی ہمیشہ مذہب کے زیر سایہ پرورش پائی ہے۔

عمدہ زندگی کی ضمانت:

موجودہ دور میں دنیا ایک آفاقی گاؤں (Global Village) کی صورت اختیار کر چکی ہے ایسے میں ریاستوں کی دوریاں کم ہو گئی ہیں جس کا

واضح ثبوت بین الاقوامی ادارے، تنظیمیں، معاشی ادارے، نظام حکومت، میڈیا، رسم و رواج کی صورت میں نظر آتا ہے۔ جس کے پیشِ نظر انسانی تمدن میں مادی، عقلی اور اشراقی تمدن کی صورتیں متوازن معاشرہ قائم کرنے میں ناکام ہو گئیں ہیں۔ جس کے منطقی نتیجے میں انسان کی زندگی جانوروں سے بھی بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ تاہم عصر حاضر میں مذہب نے جو روحانی یا الہامی تمدن قائم کیا صرف وہی انسان کو مسرت و انصاف کی ضمانت دے سکتا ہے کیونکہ ان میں ایسے مستقل اخلاقی اصول ہیں جن کی پابندی انسانیت کے حق میں ہر طرح سے مفید ہوتی ہے۔

سید قطب(1906ء-1966ء) اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ:

> و هو من ثم الميزان الوحيد الذى ير جع اليه الانسان فى كل مكان وفى كل زمان، بتصوراته وقيمه ومناهجه ونظمه و اوضاعه و احواله واخلاقه واعماله۔ ليعلم اين هو من الحق و اين هو من الله۔ وليس هنالک ميزان آخر يرجو اليه، وليس هنالک مقررات سابقة ولا مقررات لاحقة يرجع اليها فى هذا الشان۔ انما هو يتلقى قيمه وموازينه من هذا التصور، ويكيف بها عقله وقلبه، ويطبع بها شعوره وسلوكه ويرجع فى كل امر يعرض له الى ذالک الميزان[35]
>
> ترجمہ: بنابریں صرف یہی ایک ایسی میزان ہے جس کی طرف انسان ہر مقام اور زمانے میں یہ جاننے کے لیے رجوع کر سکتا ہے کہ وہ خود اپنے نظریات واقدار اور نظاموں، اپنے طور طریقوں اور اخلاق واعمال کے معاملہ میں حق وصداقت اور اللہ تعالیٰ سے کس مقام پر ہے۔ اس کے سوا کوئی ایسا پیمانہ نہیں ہے اور نہ پہلے سے طے شدہ یا بعد میں طے کیے جانے والے کوئی ایسے اصول و قواعد ہیں جن کی طرف اس انداز میں رجوع کیا جا سکے۔ صرف یہی ایک صورت قابل عمل ہے کہ انسان اپنے اقدار اور پیمانے اسے نظریہ سے حاصل کرے اور اپنے قلب و نظر کو اسی کے رنگ میں رنگ لے اور اپنے شعور اور طرزِ عمل پر اسی کی چھاپ لگالے اور ہر پیش آمدہ مسئلہ میں اسی پیمانے کی طرف رجوع کرے۔

مذہب سے انکار کرنے والے ایک طرف تو خواہشات کے پجاری ہوتے ہیں اور دوسری طرف خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے ہیں اور پھر حالات کا بہاؤ ان کو جس سمت چاہے بہالے جائے۔ مذہب نے ہمیشہ انسان کو بہتر زندگی گزارنے کے لیے راستے عطا کیے اور انسان کو طرز معاشرت کے ساتھ، طہارت و پاکیزگی کے انفرادی واجتماعی اخلاقی اصول دیے تاکہ ایک متوازن معاشرہ قائم ہو سکے۔

سید علی ندوی(1914ء-1999ء)اس بارے میں لکھتے ہیں:

> مذہب نے انسانی معاشروں کو نظم وضبط اور اخلاقی اصولوں سے متعارف کروایا اور ان کو جسم و روح کی پاکیزگی کا تصور دیا۔ یہ مذہب ہی تھا جس نے انسانوں کو حیوانوں سے ممتاز کیا اور طرز معاشرت میں بہتری لائی۔ اس نے انسان کی انفرادی زندگیوں کے ساتھ ساتھ اجتماعی معاملات میں بھی اپنے اثرات مرتب کیے۔ اس نے سیاسی اور معاشرتی اداروں کا نہ صرف تصور دیا بلکہ ان کے درمیان توازن اور اعتدال بھی قائم کیا۔[36]

مذکورہ بالا دلائل سے حقیقت واضح ہو گئی کہ مذہب سے بے اعتنائی نے سوائے ذلت و رسوائی کے انسان کو کچھ نہیں دیا۔ ہر داعی مذہب بنی نوع انسان کا محسن تھا۔ اس لیے ان سب کی تعظیم ہمارا اخلاقی فرض ہے۔ تمام مذاہب امن عامہ اور اخلاق حمیدہ کا درس دیتے ہیں۔ جس کا کوئی فرد بھی انکار نہیں کر سکتا۔

خلاصہ بحث:

لغت کے مطابق مذہب کسی راستے یا طریقے پر چلنے کا نام ہے۔ معاشرتی اصطلاح کے طور پر مذہب انسان کی روحانی زندگی سے متعلق سرگرمیوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ یعنی انسان کو زندگی گزارنے کا لائحہ عمل مذہب کی صورت میں عطا ہوا۔ حیاتِ انسانی میں مذہب کو قوانین کا وہ ماخذ سمجھا جاتا ہے جو اقتدار کے تحفظ، فلاح و بہبود کے قیام اور ترقی کا ضامن ہے۔

مذہب کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ انسان اور اس کی تہذیب کی۔ دنیا کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں رہنے والے لوگ تصور مذہب سے ناآشنا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام قوموں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے نہ صرف انبیاء کرام کو مبعوث کیا بلکہ ان پر اپنی مقدس کتابیں بھی نازل کیں۔

مذہب انسانی زندگی میں تسکین کا باعث ہے۔ اسی لیے دنیا کی کوئی تہذیب، کوئی قوم، کوئی نسل اور کوئی دور اس سے خالی نہیں رہا۔ ہر دور میں مذہب موجود رہا اور انسان کو اخلاق و عادات کے ساتھ ساتھ معاشرت کے آداب و اطوار بھی سکھائے۔ مذہب ہی نے انسان کو تہذیب و ثقافت سے روشناس کروایا۔ اس پر مقصد حیات واضح کیا اور ایسے امور سے روشناس کروایا جو اس کی فلاح کے ضامن ٹھہرے۔

انسانی معاشرے کی تشکیل و ارتقاء اور ترقی و پیش رفت میں مذہب نے نہایت موثر کردار ادا کیا ہے۔ سماجی زندگی میں عدل و انصاف کا قیام، ظلم و استبداد کے خلاف جدوجہد مذہب کا وطیرہ رہا ہے۔ تمدنی زندگی میں معاہدات، اقرار نامے اور عہد و پیمان کی پابندی کی مذہبی تعلیمات کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اخلاقی اور انسانی اقدار نے بھی ہمیشہ مذہب کے زیر سایہ پرورش پائی ہے۔ مذہب ہی انسانی اجتماعیت کی ایسی تشکیل کر سکتا ہے جس کی بدولت انسان باہمی ہم آہنگی سے زندگی کے ہر چیلنج کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور مذہب ہی کی بدولت معاشرتی اور سماجی یکجائی سے تہذیب و تمدن کی مثالی صورتیں سامنے لا سکتے ہیں۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 international license.

حواشی وحوالہ جات

[1] **محمد** مرتضیٰ الزبیدی،**تاج العرس**،(بیروت: دارالهداية، ۲۰۱۰ء)،ج 1،ص 395

Muhammad Murtaza Azabidi, ***Taj ul Uros***, (Beirut: Dar ul Hadaya 2010), 1:395

[2] ابن منظور محمد بن مکرم الافریقی،**لسان العرب**،(بیروت: دار صادر ۲۰۱۰ء)، ج۱،ص۳۹٤

Ibn Manzor Muhammad bin Mukarrm Al Afriqi, *Lisan ul Arab*, (Beirut: Dar Sadir 2010), 1:394

[3] مولوی سید علی دہلوی، **فرہنگ آصفیہ**،(لاہور: اردو سائنس بورڈ ۲۰۱۰ء)، ج ۴، ص ۳۱۷

Mulovi Syed Ali Dehlvi, *Farhng Asfia*, (Lahore: Urdu Science Board 2010), 4:317

[4] Emile Durkheim, ***The Elementary Forms of Religious Life***, Translated by Karen E. Fields, (London : The Free Press 1995), P:34

[۵] مشہور امریکی مفکرہ شکاگو یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہیں۔ یہ امریکی مذاہب کی تاریخ میں مہارت رکھتی ہیں۔ جس پر انہوں کی مستند کتابیں بھی تحریر کی ہیں۔

[6] Catherine L. Albanese, ***America: Religions and Religion***, (Belmont: Wadsworth 1981), p:1

[7] E. B. Tylor, ***Primitive Culture. London: John Murray,*** (Albemarle Street1891), P: 424

[8] **القرآن36:16**

Al Quran16:36

[9] **محمد** بن عمر الرازی، **مفاتیح الغیب**،(بیروت: دار إحیاء التراث العربي1999ء)،ج:20،ص:204

Muhammad bin Umer Al Razi, *Mafatih al Ghib*, (Beirut: Dar Ihya al Turas al Arbi 1999), 20:204

[10] **القرآن25:21**

Al Quran21:25

[11] **محمد** ثناء الله پانی پتی،**التفسیر المظہری**، (الباکستان:مکتبۃ الرشیدیہ1992ء)،ج:6،ص:191

Muhammad Sanauallah Panipati, *Al Tafseer Al Mazhari*, (Pakistan: Matbah Al Rashidia 1992), 6:191

[12] عماد الحسن فاروقی، **دنیا کے بڑے مذاہب** ،(انڈیا: جامعہ نئی دہلی ۱۹۸۶ء)، ص:۶۔۷

Imad ul Hassan Farooqi, *Duniya k Bary Bary Mazahib*, (India: New Delhi 1986), P:6-7

[13] سید ابوالحسن علی ندوی، **مذہب و تمدن**،(لکھنو: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ۱۹۷۹ء)، ص:۶۵

Syed Abu al Hassan Ali Nadvi, *Mazhab o Tamdun*, (Lakhnow: Majlas Tahqiqat o Nashriyat Islam 1979), P:65

[۱۴] **القرآن۲:۳۰**

Al Quran2:30

[۱۵] **القرآن۱۷:۷۰**

Al Quran 17:70

[16] عبد الله بن احمد النسفی۔**مدارک التنزیل و حقائق التاویل**(بیروت:دار الکلم الطیب1998ء)، ج:2، ص:269

Abdullah bin Ahmad Al Nasfi, *Madarik al Tanzeel wa Haqaiq al Taweel*, (Beirut: Dar Al Kalim Al Tayyab 1998), 2:269

[17] سید ابوالاعلیٰ مودودی، **اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی**،(لاہور: اسلامک پبلیکیشنز ۱۹۶۶ء،)ص:۲۹

Syed Abu al Ala Mudodi, *Islami Tahzeeb awr Us k Usool o Mubadi*, (Lahore: Islamic Publications 1966), P:29

[۱۸] **القرآن۳:۱۳۹**

Al Quran3:139

[19] سید ابراہیم حسین قطب شہید،**فی ظلال القرآن**(بیروت: دارالشروق1992ء)، ج:1، ص:480

Syed Ibrahim Hussain Qutub Shaheed, *Fi Zilal al Quran*, (Beorut: Dar Al Shoroq 1992), 1:480

[20] عماد الحسن فاروقی، **دنیا کے بڑے مذاہب**، ص: ۷

Imad ul Hassan Farooqi, *Duniya k Bary Bary Mazahib*, P: 7

[۲۱] ڈاکٹر مستفیض احمد علوی، **تہذیب کا برزخ**، (اسلام آباد: پورب اکیڈمی ۲۰۱۰ء) ص: ۱۳۹

Dr. Mustafeez Ahmad Alvi, *Tahzeed ka Barzakh*, (Islamabad: Porab Academy 2010), P:139

[۲۲] القرآن ۸۷: ۱۴

Al Quran87:14

[23] وهبة بن مصطفى الزحيلي، **التفسير المنير**، (دمشق: دار الفكر المعاصر 1997ء).ج:30، ص:197

Wahba bin Mustafa Al Zuhaili, *Al Tafseer Al Munir*, (Damishq: Dar ul Fikir al Muasir1997), 30:197

[24] بپتسمہ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی اصطباغ یا غسل (Baptism) کے ہیں اور مسیحیوں کی ایک مذہبی رسم ہے جسے از خود یسوع مسیح نے قائم کیا۔ اِس رسم کے ذریعے نومولود یا غیر مسیحی آدمی کو مسیحیت میں داخل کیا جاتا ہے۔ یہ رسم عموماً گرجوں میں ادا کی جاتی ہے۔ بعض گرجوں میں مسیحیوں کو اُس وقت بپتسمہ دیا جاتا ہے جب وہ جوان ہو جائیں۔

[25] The Holy Bible, ***Matthew*** 3:2-4

[26] پروفیسر خورشید احمد، **اسلامی نظریہ حیات**، (کراچی: مجلس نشریات اسلام ۱۹۹۹ء)، ص: ۲۵

Prof. Khursheed Ahmad, *Islami Nazria Hayat*, (Karachi: Majlas Nashriyat Islam 1999), P:25

[۲۷] سید ابوالاعلیٰ مودودی، **پردہ**، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز ۲۰۰۳ء)، ص: ۱۱

Syed Abu al Ala Mudodi, *Parda*, (Lahore: Islamic Publications 2003), P:11

[28] ڈاکٹر مستفیض احمد علوی، **تہذیب کا برزخ**، ص: ۱۴۱

Dr. Mustafeez Ahmad Alvi, *Tahzeed ka Barzakh*, P:141

[29] ***Exodus*** 20:12-17

[30] شیخ احمد دیدات، **یہودیت، عیسائیت اور اسلام**، (لاہور: عبداللہ اکیڈمی، ۲۰۱۰ء) ص: ۳۶۲

Shaikh Ahmad Dedaat, *Yahodiat, Esaiyat awr Islam*, (Lahore: Abdullah Academy2010), P:362

[۳۱] القرآن ۲۲: ۶۵

Al Quran22:65

[32] سید ابوالاعلیٰ مودودی، **اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی**، ص: ۲۶

Syed Abu al Ala Mudodi, *Islami Tahzeeb awr Us k Usool o Mubadi*, P:26

[33] Muhammad Iqbal, ***The Reconstruction of Religious Thought in Islam***, (Lahore: Institute of Islamic Culture, 2.Club Road 1999), P:145

[34] Muhammad Iqbal, ***The Reconstruction of Religious Thought in Islam***, 1934, P:145

[35] سيد ابراهيم حسين قطب شهيد، خصائص التصور الإسلامي ومقوماته، (بيروت: دار الشروق 2007ء) ، ص:43

Syed Ibrahim Hussain Qutub Shaheed, *Khasais al Taswar al Islami wa Maqwimatuh*, (Beorut: Dar Al Shoroq 2007), P:43

[36] سید ابوالحسن علی ندوی، **مذہب وتمدن**، ص: ۷۸

Syed Abu al Hassan Ali Nadvi, *Mazhab o Tamdun*, P:78